سید منظور الحسن☆

غامدی صاحب کے تصور 'سنت' پر اعتراضات کا جائزہ (۱)

ماہنامہ ''الشریعہ'' کے ستمبر ۲۰۰۶ کے شمارے میں جناب حافظ محمد زبیر کا مضمون ''غامدی صاحب کے تصور سنت کا تنقیدی جائزہ'' شائع ہوا تھا جو اب ان کی تصنیف ''فکر غامدی ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ'' کا حصہ ہے۔ اس مضمون میں فاضل ناقد نے یہ بیان کیا ہے کہ سنت کے تصور، اس کے تعین، اس کے مصداق اور اس کے ثبوت کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف عقل ونقل کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ اس موضوع پر ایک اور تنقیدی مضمون ''الشریعہ'' ہی کے جون ۲۰۰۸ کے شمارے میں بھی شائع ہوا ہے۔ یہ رسالے کے رئیس التحریر مولانا زاہد الراشدی کی تصنیف ہے۔ ''غامدی صاحب کا تصور سنت'' کے زیر عنوان اس مضمون میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ سنت کے بارے میں غامدی صاحب کا تصور جمہور امت، بالخصوص خیر القرون کے اجماعی تعامل کے منافی ہے اور عملاً سنت کے حجت ہونے سے انکار کے مترادف ہے۔ ان مضامین کے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ دونوں مضامین سنت کے بارے میں غامدی صاحب کے نقطۂ نظر سے ناواقفیت اور اس کے سوءِ فہم پر مبنی ہیں۔ اس تحریر میں ہم حافظ زبیر صاحب کے جملہ اعتراضات کے حوالے سے بحث کریں گے۔ ان کا مضمون تفصیلی بھی ہے اور کم وبیش ان تمام اعتراضات کا احاطہ کرتا ہے جو مولانا زاہد الراشدی نے اٹھائے ہیں۔ مزید براں یہ اسی سلسلۂ مباحث کا حصہ ہے جس پر ان کے ساتھ بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔ اس میں ہم اپنے فہم کی حد تک غامدی صاحب کے تصور سنت کو بیان کریں گے، اس موضوع پر اہل علم کی آرا کی تنقیح کریں گے اور عقل ونقل کی روشنی میں فاضل ناقدین کی تنقیدات کا جائزہ لیں گے۔ مباحث کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ غامدی صاحب کا تصور سنت

۲۔ غامدی صاحب کے تصور سنت پر اعتراضات کا جائزہ

۳۔ سنت کے ثبوت کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف پر اعتراضات کا جائزہ

۴۔ سنت کی اصطلاح کے حوالے سے غامدی صاحب اور ائمۂ سلف کے موقف کا فرق

غامدی صاحب کا تصور سنت

سنت کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کا تصور یہ ہے کہ یہ دین ابراہیمی کی روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

☆ مدیر ماہنامہ 'اشراق'، ۵۱۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔

اس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اسے دین کی حیثیت سے امت میں جاری فرمایا ہے۔اس کا پس منظر ان کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دین کے بنیادی حقائق اس کی فطرت میں ودیعت کر کے دنیا میں بھیجا۔پھر اس کی ہدایت کی ضرورتوں کے پیش نظر انبیا کا سلسلہ جاری فرمایا۔ یہ انبیا وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے اور بنی آدم تک ان کے پروردگار کا دین پہنچاتے رہے۔ یہ دین ہمیشہ دو اجزا پر مشتمل رہا: ایک حکمت، یعنی دین کی مابعد الطبیعاتی اور اخلاقی اساسات اور دوسرے شریعت، یعنی اس کے مراسم اور حدود وقیود۔ حکمت ہر طرح کے تغیرات سے بالا تھی، لہٰذا وہ ہمیشہ ایک رہی۔لیکن شریعت کا معاملہ قدرے مختلف رہا۔ وہ ہر قوم کی ضرورتوں کے لحاظ سے اترتی رہی، لہٰذا انسانی تمدن میں ارتقا اور تغیر کے باعث بہت کچھ مختلف بھی رہی۔ مختلف اقوام میں انبیا کی بعثت کے ساتھ شریعت میں ارتقا وتغیر کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت میں پوری انسانیت کے لیے اس کے احکام بہت حد تک متعین ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں اسحٰق اور اسماعیل علیہما السلام کو اسی دین کی پیروی کی وصیت کی اور سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کو اسی پر عمل پیرا رہنے کی ہدایت کی:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ... وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ. (البقرہ۲: ۱۳۰، ۱۳۲)

''اور کون ہے جو ملت ابراہیم سے اعراض کر سکے، مگر وہی جو اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کرے....اور ابراہیم نے اسی (ملت) کی وصیت اپنے بیٹوں کو کی اور (اسی کی وصیت) یعقوب نے (اپنے بیٹوں کو) کی۔''

دین ابراہیمی کے احکام ذریت ابراہیم کی دونوں شاخوں، بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل میں نسلاً بعد نسلٍ ایک دینی روایت کے طور پر جاری رہے۔ بنی اسماعیل میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ کو بھی دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا۔سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (۱۶: ۱۲۳)

''پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا تو عبادات، معاشرت، خورونوش اور رسوم وآداب سے متعلق دین ابراہیمی کے یہ احکام پہلے سے رائج تھے اور بنی اسماعیل ان سے ایک معلوم ومتعین روایت کی حیثیت سے پوری طرح متعارف تھے۔ بنی اسماعیل بڑی حد تک ان پر عمل پیرا بھی تھے۔ دین ابراہیمی کے یہی معلوم ومتعارف اور رائج احکام ہیں جنھیں اصطلاح میں 'سنت' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجدید واصلاح کے بعد اور ان میں بعض اضافوں کے ساتھ انھیں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔

یہ جناب جاوید احمد غامدی کا سنت کے بارے میں تصور ہے۔ یہ تصور ان کی کتاب ''میزان'' کے مقدمے ''اصول ومبادی'' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔اس کی تمہید میں انھوں نے دین کے ماخذ کی بحث کرتے ہوئے سنت کے بارے میں اپنا اصولی موقف ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''...رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی وعملی تواتر سے منتقل ہوا اور دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے:

۱۔قرآن مجید

۲۔سنت

...سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔'' (میزان ۱۳-۱۴)

اسی مقدمے میں ایک مقام پر انھوں نے سنت کے اس تصور کے پس منظر کو بیان کیا ہے۔''مبادی تدبر قرآن'' کے تحت فہم قرآن کے اصول بیان کرتے ہوئے''دین کی آخری کتاب'' کے زیرعنوان یہ واضح کیا ہے کہ قرآن جس دین کو پیش کرتا ہے، تاریخی طور پر وہ اس کی پہلی نہیں، بلکہ آخری کتاب ہے۔دین فطرت، ملت ابراہیمی کی روایت اور نبیوں کے صحائف تاریخی لحاظ سے اس سے مقدم ہیں۔لکھتے ہیں:

''...دین کی تاریخ یہ ہے کہ انسان کو جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا تو اُس کے بنیادی حقائق ابتدا ہی سے اُس کی فطرت میں ودیعت کر دیے۔پھر اُس کے ابوالآبا آدم علیہ السلام کی وساطت سے اُسے بتا دیا گیا کہ اولاً، اُس کا ایک خالق ہے جس نے اُسے وجود بخشا ہے، وہی اُس کا مالک ہے اور اِس کے لازمی نتیجے کے طور پر تنہا وہی ہے جسے اُس کا معبود ہونا چاہیے۔ثانیاً، وہ اس دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے اور اس کے لیے خیر وشر کے راستے نہایت واضح شعور کے ساتھ اُسے سمجھا دیے گئے ہیں۔پھر اُسے ارادہ واختیار ہی نہیں، زمین کا اقتدار بھی دیا گیا ہے۔اُس کا یہ امتحان دنیا میں اُس کی زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہے گا۔وہ اگر اس میں کامیاب رہا تو اس کے صلے میں خدا کی ابدی بادشاہی اُسے حاصل ہو جائے گی جہاں نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ثالثاً، اُس کی ضرورتوں کے پیش نظر اُس کا خالق وقتاً فوقتاً اپنی ہدایت اُسے بھیجتا رہے گا، پھر اُس نے اگر اِس ہدایت کی پیروی کی تو ہر قسم کی گمراہیوں سے محفوظ رہے گا اور اس سے گریز کا رویہ اختیار کیا تو قیامت میں ابدی شقاوت اُس کا مقدر ٹھیرے گی۔

چنانچہ پروردگار نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا اور انسانوں ہی میں سے کچھ ہستیوں کو منتخب کر کے اُن کے ذریعے سے اپنی یہ ہدایت بنی آدم کو پہنچائی۔اِس میں حکمت بھی تھی اور شریعت بھی۔حکمت، ظاہر ہے کہ ہر طرح کے تغیرات سے بالا تھی ،لیکن شریعت کا معاملہ یہ نہ تھا۔وہ ہر قوم کی ضرورتوں کے لحاظ سے اترتی رہی، یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت میں پوری انسانیت کے لیے اُس کے احکام بہت حد تک ایک واضح سنت کی صورت اختیار کر گئے۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جب بنی اسرائیل کی ایک باقاعدہ حکومت قائم ہو جانے کا مرحلہ آیا تو تورات نازل ہوئی اور اجتماعی زندگی سے متعلق شریعت کے احکام بھی اترے۔اِس عرصے میں حکمت کے بعض پہلو نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو زبور اور انجیل کے ذریعے سے اُنھیں نمایاں کیا گیا۔پھر ان کتابوں کے متن جب اپنی اصل زبان میں باقی نہیں رہے تو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آخری پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث کیا اور اُنھیں یہ قرآن دیا۔...

یہ دین کی تاریخ ہے۔چنانچہ قرآن کی دعوت اِس کے پیش نظر جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔فطرت کے حقائق

۲۔دین ابراہیمی کی روایت

۳۔نبیوں کے صحائف۔'' (میزان ۴۳۔۴۵)

جناب جاوید احمد غامدی کا موقف یہ ہے کہ عربوں کے ہاں دین ابراہیمی کی روایت پوری طرح مسلم تھی ۔لوگ بعض تحریفات کے ساتھ کم وبیش وہ تمام امور انجام دیتے تھے جنھیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جاری کیا تھا اور جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تصویب سے امت میں سنت کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ چنانچہ ان کے نزدیک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نماز جنازہ، جمعہ، قربانی، اعتکاف اور ختنہ جیسی سنتیں دین ابراہیمی کے طور پر قریش میں معلوم ومعروف تھیں۔ لکھتے ہیں:

''...نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یہ سب اِسی ملت کے احکام ہیں جن سے قرآن کے مخاطب پوری طرح واقف، بلکہ بڑی حد تک اُن پر عامل تھے۔ سیدنا ابوذر کے ایمان لانے کی جو روایت مسلم میں بیان ہوئی ہے، اُس میں وہ صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی وہ نماز کے پابند ہو چکے تھے۔ جمعہ کی اقامت کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ قرآن کے مخاطبین کے لیے کوئی اجنبی چیز نہ تھی۔ نماز جنازہ وہ پڑھتے تھے۔ روزہ اُسی طرح رکھتے تھے، جس طرح اب ہم رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ اُن کے ہاں بالکل اُسی طرح ایک متعین حق تھی، جس طرح اب متعین ہے۔ حج وعمرہ سے متعلق ہر صاحب علم اِس حقیقت کو جانتا ہے کہ قریش نے چند بدعتیں اُن میں بے شک داخل کر دی تھیں، لیکن اُن کے مناسک فی الجملہ وہی تھے جن کے مطابق یہ عبادات اِس وقت ادا کی جاتی ہیں، بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اِن بدعتوں پر متنبہ بھی تھے۔ چنانچہ بخاری ومسلم، دونوں میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے جو حج کیا، وہ قریش کی اِن بدعتوں سے الگ رہ کر بالکل اُسی طریقے پر کیا، جس طریقے پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج ہمیشہ جاری رہا ہے۔

یہی معاملہ قربانی، اعتکاف، ختنہ اور بعض دوسرے رسوم وآداب کا ہے۔ یہ سب چیزیں پہلے سے رائج، معلوم ومتعین اور نسلاً بعد نسلٍ جاری ایک روایت کی حیثیت سے پوری طرح متعارف تھیں۔ چنانچہ اِس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ قرآن اِن کی تفصیل کرتا۔ لغت عرب میں جو الفاظ اِن کے لیے مستعمل تھے، اُن کا مصداق لوگوں کے سامنے موجود تھا۔ قرآن نے اُنھیں نماز قائم کرنے یا زکوٰۃ ادا کرنے یا روزہ رکھنے یا حج وعمرہ کے لیے آنے کا حکم دیا تو وہ جانتے تھے کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وعمرہ کن چیزوں کے نام ہیں۔'' (میزان ۴۵۔۴۶)

غامدی صاحب کے تصور سنت پر اعتراضات کا جائزہ

فاضل ناقد نے اپنے مضمون میں غامدی صاحب کے تصور سنت پر بنیادی طور پر یہ تنقید کی ہے کہ غامدی صاحب کا سنت کو ملت ابراہیمی کی روایت کا حصہ قرار دینا اور اس بنا پر اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے بیان کرنا عقل ونقل کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ فاضل ناقد نے اس تنقید کو چار مختلف پہلووں سے پیش کیا ہے۔ ذیل میں ان کا خلاصہ اور ان کے بارے میں ہمارا تبصرہ پیش ہے۔

'ملت' کا مفہوم

فاضل ناقد نے پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ غامدی صاحب کا سورۂ نحل (۱۶) کی آیت ۱۲۳ کے الفاظ 'اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا' میں لفظ 'مِلَّةَ' کا ترجمہ 'سنت' کرنا درست نہیں ہے۔ یہ ترجمہ قرآن مجید کے عرف اور عربی زبان کے مسلمات

کے خلاف ہے۔ اس آیت میں ملت کا لفظ توحید اور شرک سے اجتناب اور اطاعت الٰہی کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے سنت کا مفہوم مراد نہیں لیا جا سکتا۔ چنانچہ غامدی صاحب کا اس آیت کو سنت کی دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

''غامدی صاحب نے اپنی بیان کردہ تعریف سنت کے ثبوت کے لیے سورۃ النحل کی درج ذیل آیت کو بطور دلیل بیان کیا ہے:

ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا، وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ۔ (النحل ۱۶:۱۲۳)

''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ حضرت ابراہیم کی ملت کی پیروی کریں جو بالکل یک سو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

غامدی صاحب بحث ''سنت'' کی کر رہے ہیں اور دلیل ایک ایسی آیت کو بنا رہے ہیں جس میں لفظ 'ملت' استعمال ہوا ہے، حالانکہ یہاں پر 'ملت ابراہیم' سے مراد بالکل بھی سنت ابراہیمی (وہ ستائیس چیزیں جو کہ غامدی صاحب نے بیان کی ہیں) نہیں ہے۔ 'سنت' کا لفظ جزئیات پر بھی بولا جاتا ہے، جیسا کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے، جبکہ ملت کے لفظ کا اطلاق جزئیات پر نہیں ہوتا، مثلاً یہ کہنا غلط ہوگا کہ نماز میں ہاتھ باندھنا ملت ہے، کیونکہ 'سنت' کے لفظ کی نسبت جزئیات کی طرف ہو جاتی ہے جبکہ 'ملت' کی نسبت جزئی امور کی طرف نہیں ہوتی بلکہ اجتماعی یا مجموعی امور کی طرف ہوتی ہے۔ ...ملت کا لفظ قرآن میں معمولی سے فرق کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں 'ملت ابراہیم' سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی وہ مجموعی ہیئت ہے جو کہ دین اسلام کی بنیادی اور تمام انبیا کے ہاں متفق علیہ تعلیمات پر عمل کرنے، خصوصاً ہر قسم کے شرک سے اجتناب کرنے اور اللہ کا انتہائی درجے میں فرماں بردار ہو جانے کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ ...لفظ ملت کا ترجمہ 'دین' تو کیا جا سکتا ہے... اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کا اصل معنی بھی اطاعت اور فرماں برداری ہی ہے، لیکن ملت کا ترجمہ 'سنت' کسی طرح نہیں بنتا۔ ...لفظ ملت کا ترجمہ 'سنت' سے کرنا عربی زبان سے لاعلمی اور قرآنی اصطلاحات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔'' (فکر غامدی ۵۲-۵۳، ۵۷)

فاضل ناقد کا یہ اعتراض سنت کے بارے میں ''میزان'' کے مندرجات کے سوءِ فہم پر مبنی ہے۔ غامدی صاحب نے ''اصول و مبادی'' میں جن دو مقامات پر یہ آیت نقل کی ہے، وہاں لفظ ملت کا ترجمہ سنت ہرگز نہیں کیا ہے۔ انھوں نے 'مِلَّۃَ اِبۡرٰهِیۡمَ' کا ترجمہ ''ملت ابراہیم'' ہی کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا، وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ۔ (النحل ۱۶:۱۲۳)

''پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''''

(میزان ۱۴)

جہاں تک ملت کے مفہوم کا تعلق ہے تو ان دونوں مقامات سے واضح ہے کہ ملت ابراہیم سے ان کی مراد دین ابراہیم ہے۔ چنانچہ ان مباحث میں انھوں نے جا بجا ''سنت ابراہیمی'' کے نہیں، بلکہ ''دین ابراہیمی'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ سنت ان کے نزدیک دین ابراہیمی یا ملت ابراہیمی ہی کا ایک جز ہے۔ یہ درحقیقت دین ابراہیم کے ان احکام پر مشتمل ہے جو نبی

اسماعیل میں پہلے سے رائج اور معلوم ومتعین تھے اور نسل درنسل چلتی ہوئی ایک روایت کی حیثیت سے متعارف تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجدید واصلاح کی اور ان میں بعض اضافوں کے ساتھ انھیں مسلمانوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ’’سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔‘‘ (میزان ۱۴)
>
> ’’...دین ابراہیمی کی روایت کا یہ حصہ جسے اصطلاح میں سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے، قرآن کے نزدیک خدا کا دین ہے اور وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیتا ہے تو گویا اس کو بھی پورا کا پورا اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔‘‘ (میزان ۴۶)

فاضل ناقد کی یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ غامدی صاحب نے سنت کے معنی ومصداق کے لیے مذکورہ آیت کو اصل بنائے استدلال کے طور پر پیش کیا ہے۔ اصول ومبادی کے مندرجات سے پوری طرح واضح ہے کہ ان کے نزدیک یہ آیت فقط اس بات کا حوالہ ہے کہ قرآن کے علاوہ دین ابراہیمی کی روایت کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں جاری فرمایا ہے۔

جہاں تک فاضل ناقد کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ ملت کے جامع لفظ سے بطور تائید ہی سہی، سنت کا جزوی مفہوم اخذ کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے تو اس ضمن میں ہماری گزارش یہ ہے کہ زبان وبیان کے مسلمات کی رو سے یہ بھی جائز ہے کہ متکلم کوئی وسیع الاطلاق لفظ یا اصطلاح استعمال کر کے اس کے کسی ایک جز یا ایک اطلاق کو مراد لے رہا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ مخاطب کسی وسیع الاطلاق لفظ کے جملہ اطلاقات میں سے جو اس کے مفہوم کو پوری طرح شامل ہوں، کسی ایک اطلاق کو بیان کرنے پر اکتفا کرے۔ گویا کل کو بول کر جز بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور بولے گئے کل سے اس کے کسی جز پر استدلال بھی کیا جا سکتا ہے۔ تفہیم مدعا کے لیے سورۂ بینہ کی درج ذیل آیت کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ. (۹۸:۵)

’’ان (اہل کتاب کو) یہی ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اطاعت کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے، پوری یک سوئی کے ساتھ، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دین قیم (سیدھی ملت کا دین) ہے۔‘‘

اس آیت کو پڑھ کر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی رو سے ’دین قیمہ‘ کا اطلاق فقط تین چیزوں، یعنی اللہ کی عبادت، نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر ہوتا ہے اور عقائد واعمال کی دیگر چیزیں، مثلاً توحید، رسالت، آخرت، روزہ، حج، اور قربانی وغیرہ دین قیم کے اطلاق میں شامل نہیں ہیں تو اس کی بات کو کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جائے گا۔

فاضل ناقد کے مذکورہ اعتراض کا ایک جز یہ بھی ہے کہ ملت ابراہیم کے الفاظ سے دین ابراہیمی کی روایت مراد لینا درست نہیں ہے۔ اس سے مراد بالخصوص دین کی اساسی تعلیمات، یعنی توحید، شرک اور اطاعت الٰہی ہیں۔ ہمارے نزدیک فاضل ناقد کے اس موقف کی نفی لفظ کے لغوی مفہوم اور آیت کے سیاق وسباق ہی سے ہو جاتی ہے۔ لغت کے مطابق، جیسا کہ فاضل ناقد نے خود تسلیم کیا ہے، لفظ ’ملت‘ ایک جامع لفظ ہے جو اصولی تصورات کے علاوہ عملی احکام کو بھی شامل ہے:

’’لسان العرب‘‘ میں ہے:

والملة: الشريعة والدين.... الملة: الدين كملة الاسلام والنصرانية واليهودية، وقيل: هی معظم الدين، وجملة ما يجئ به الرسل.... قال ابو اسحٰق: الملة فی اللغة سنتهم و طريقهم. (۶۳۱/۱۱-۶۳۲)

”شریعت اور دین کا نام ملت ہے۔..ملت، ملت اسلام، ملت نصرانیہ اور ملت یہودیہ کی طرح ایک دین کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنیادی اور جملہ اجزاے دین کو ملت کہتے ہیں جس کو رسول لے کر آتے ہیں۔...ابواسحاق کہتے ہیں کہ لغت میں ان کی سنت اور طریقے کو ملت کہتے ہیں۔“

سورۂ نحل کی مذکورہ آیات میں سیاق وسباق کی رو سے عملی پہلو مراد ہیں۔ اس مقام پر اصل میں ان مشرکانہ بدعات کی تردید کی گئی ہے جو بعض جانوروں کی حرمت کے حوالے سے مشرکین عرب میں رائج تھیں اور جن کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ انھیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی نے جاری فرمایا تھا۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنے طور پر ایک پوری شریعت وضع کر رکھی تھی۔ مثال کے طور پر وہ منتوں اور نذروں کے لیے خاص کیے گئے جانوروں پر اللہ کا نام لینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان پر سوار ہو کر حج کرنا ممنوع تھا۔ وہ اپنی کھیتیوں اور جانوروں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کرتے اور ایک حصہ دیوی دیوتاؤں کے لیے خاص کر دیتے تھے۔ نذروں اور منتوں کے لیے مخصوص جانوروں میں سے مادائیں جو بچہ جنتیں، اس کا گوشت عورتوں کے لیے ناجائز اور مردوں کے لیے جائز تھا، لیکن اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہو یا بعد میں مر جائے تو پھر اس کا گوشت عورتوں کے لیے بھی جائز ہو جاتا تھا۔ قرآن مجید نے ان مشرکانہ بدعات اور ان کی سیدنا ابراہیم سے نسبت کی نہایت سختی سے تردید کی۔ یہ اس آیت کا پس منظر ہے۔ اس پس منظر میں اگر آیت کا مطالعہ اس کے سیاق وسباق کے ساتھ کیا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ ’اتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ‘ کا حکم اصل میں عملی احکام ہی کے تناظر میں آیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ... وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ... وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ... اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ، اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ... ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ

”تو اللہ نے تمھیں جو چیزیں جائز و پاکیزہ دے رکھی ہیں، ان میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی پرستش کرتے ہو۔ اس نے تو تم پر بس مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، حرام ٹھہرایا ہے۔...اور اپنی زبانوں کے گھڑے ہوئے جھوٹ کی بنا پر یہ نہ کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ۔...، اور جو یہودی ہوئے، ان پر بھی ہم نے وہی چیزیں حرام کیں جو ہم نے پہلے تم کو بتائیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔...بے شک، ابراہیم ایک الگ امت تھے، اللہ کے فرماں بردار اور اس کی طرف یک سو اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ وہ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کی رہنمائی ایک سیدھی راہ کی طرف

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. (النحل ۱۶: ۱۲۳-۱۲۴)

فرمائی... پھر ہم نے تمھاری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ سبت انھی لوگوں پر عائد کیا گیا تھا جنھوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا، اور بے شک، تمھارا رب ان چیزوں کے باب میں جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں، قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔''

'اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا' کی تفسیر میں جلیل القدر اہل علم نے ملت سے فقط اصولی تصورات مراد نہیں لیے، بلکہ عملی پہلوؤں کو نمایاں طور پر شامل سمجھتے ہوئے اس آیت کی تفسیر کی ہے۔

ابن قیم نے ملت کو توحید کے مفہوم میں لینے کی صریح طور پر تردید کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد دین ہے اور اس کے مفہوم میں عقائد کے ساتھ اعمال بھی شامل ہیں:

''تم اگر یہ کہتے ہو کہ ملت سے مراد توحید ہے (تو یہ درست نہیں ہے)۔ ملت سے مراد دین ہے اور دین اقوال، افعال اور اعتقاد کے مجموعے کا نام ہے۔ جس طرح ایمان ملت کے مفہوم میں داخل ہے، اسی طرح اعمال بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ پس فطرت کا نام ملت ہے اور وہ دین ہے۔ یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعمال اور عادات فطرت کو چھوڑ کر صرف کلمہ کی پیروی کرنے کا حکم فرمائیں۔'' (تحفۃ المولود ۱۰۶)

امام رازی نے ملت سے شریعت مراد لیا ہے اور بیان کیا ہے کہ ملت ابراہیم ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہے:

''(پھر اگر یہ کہا جائے کہ) آیت کا ظاہر تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور ابراہیم علیہ السلام کی شریعت یکساں ہے اور اس بنا پر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مستقل شریعت کے حامل نہ ہوئے، جبکہ تم ایسا نہیں کہتے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ملت ابراہیم داخل ہے کچھ اچھے زوائد اور بہتر فوائد کے ساتھ۔'' (تفسیر کبیر ۱/۵۷)

امام ابن حزم نے اسے شریعت کے معنوں میں لیا ہے اور واضح کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی شریعت کو لے کر آئے جس پر سیدنا ابراہیم عمل پیرا تھے:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت بعینہ وہی شریعت ہے جو ہماری ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ابراہیم علیہ السلام تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی شریعت کے ساتھ تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے جس کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام بالخصوص اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے نہ کہ اپنے ہم عصر تمام لوگوں کی طرف۔ ہم پر ملت ابراہیم کی پیروی لازم ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے ساتھ ہماری طرف بھیجے گئے ہیں، نہ کہ اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام اس کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔'' (ابن حزم، الاحکام ۲/۱۶۵-۱۶۶)

بیضاوی نے ملت ابراہیم سے ملت اسلام کو مراد لیا ہے:

''فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ، یعنی ملت اسلام (کی پیروی کرو) جو اصل میں ملت ابراہیم ہے یا اس کی مثل ہے۔''

(تفسیر البیضاوی ۱۴۸/۱)

شاہ ولی اللہ نے حج جیسی عملی عبادت کو 'فَاتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرٰھِیمَ حَنِیْفًا' ہی کے حکم کے تحت شامل کیا ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ملت حنفیہ ہی کے احیا اور قیام کے لیے ہوئی ہے اور اسی کا بول بالا کرنے کے لیے آپ اس دنیا میں تشریف لائے۔ قرآن مجید میں ہے: 'مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیمَ' اس لیے یہ ضروری تھا کہ جو مناسک وہ بجالائے ہیں اور ان کی لائی ہوئی شریعت کے شعائر ہیں، ان کو من وعن قائم رکھا جائے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عربوں کو موقف میں دیکھا تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو، کیونکہ یہ مناسک تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی میراث ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ۹۸/۲)

''تفسیر مظہری'' میں شریعت کو ملت کے مفہوم میں شامل کر کے بیان کیا گیا ہے:

''مـلة' کا لفظ دین کی طرح ہے اور یہ اس چیز کے لیے اسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے انبیا کی زبان سے شریعت کے طور پر جاری کیا ہو تا کہ وہ قرب کے مدارج اور دنیا و آخرت کی صلاح تک پہنچ سکیں۔''
(تفسیر مظہری ۹۴/۲)

''وَاتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرٰھِیمَ' ۔ اس میں حضرت ابراہیم کو خاص کیا ہے باوجود اس کے کہ تمام انبیا کا دین ایک ہی ہے، جبکہ حضرت ابراہیم نے اپنی جان، اپنے اعضا اور قویٰ ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لیے صرف کیے، اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہو کر اور اس کے علاوہ سب سے اعراض کرتے ہوئے، اس لیے کہ تمام امتوں کا ہر دین کے معاملے میں ان کے نبی برحق اور محمود ہونے پر اتفاق ہو جائے اور دین اسلام اعمال کی فروع میں ان کی شریعت کے موافق ہو، جیسا کہ کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا، اس کا طواف کرنا، مناسک حج، ختنہ اور حسن ضیافت اور اس کے علاوہ وہ کلمات جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انھیں آزمایا تو انھوں نے ان کو پورا کر دیا وغیرہ۔'' (۴۶۱/۲)

''تفسیر عثمانی'' میں حلال وحرام کو ملت کے مفہوم میں شامل تصور کیا گیا ہے:

''...مقصد یہ ہے کہ حلال وحرام اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم ہے۔'' (۳۶۴)

مفتی محمد شفیع کی تفسیر سے واضح ہے کہ وہ شریعت اور احکام کو ملت کے مفہوم میں شامل سمجھتے ہیں:

''حق تعالیٰ نے جو شریعت واحکام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بھی بعض خاص احکام کے علاوہ اس کے مطابق رکھی گئی۔'' (معارف القرآن ۴۰۵/۵)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ملت ابراہیم کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی تعبیر اختیار کی ہے:

''...محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طریقے کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، وہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور تمھیں معلوم ہے کہ ملت ابراہیمی میں وہ چیزیں حرام نہ تھیں جو یہودیوں کے ہاں حرام ہیں۔ مثلاً یہودی اونٹ نہیں کھاتے، مگر ملت ابراہیمی میں وہ حلال تھا۔ یہودیوں کے ہاں شتر مرغ، بط، خرگوش وغیرہ حرام ہیں، مگر ملت ابراہیمی میں یہ سب چیزیں حلال تھیں۔'' (تفہیم القرآن ۵۸۰/۲)

اس تفصیل سے یہ بات ہر لحاظ سے واضح ہو گئی ہے کہ ملت ابراہیمی سے مراد دین ابراہیمی ہے اور اس کے مشمولات میں فقط اصولی تصورات نہیں، بلکہ احکام واعمال بھی شامل ہیں۔ (جاری)